



# فِعْلَةٌ دُوَبِيَّا تِكْ



## اور ان کا حکم

مَنْ كَرَبَ عَلَىٰ مُتَعَمِّدًا فَلَيَسْبِّحُ مَفْعُدَهُ مِنَ النَّارِ



فضياله اشيخ حافظ زبير علی زنی عصیان



## ضعیف روایات اور ان کا حکم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين، أما بعد:  
أصولِ حدیث کی رو سے قبول اور رد کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

صحیح (مقبول) اور ضعیف (مردود)

دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۹/۹۶) مع الباعث الحثیث والشرح للابنی رحمه اللہ  
اور تحقیق اہل النظر فی مصطلح اہل الخبر لابی معاذ عبدالجلیل الاشتری (ص ۳۷) وغیرہ  
مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:  
”حدیث کی تقسیم مقبول اور غیر المقبول یا المردود کے اعتبار سے  
المقبول: جس حدیث پر ائمہ سنت کے نزدیک عمل واجب ہو۔  
غير المقبول یا المردود: جس حدیث کے بیان کرنے والے کا صدق رانجح نہ ہو۔“

(اصطلاحات الحمد شیخ ص ۹)

ڈاکٹر محمود طحان کو یتی لکھتے ہیں: ”قوت و ضعف کے لحاظ سے خبر آحاد کی تقسیم  
خبر آحاد (مشہور، عزیزاً و غریب) اپنی قوت و ضعف کے لحاظ سے دو قسموں پر مشتمل ہے:  
(ا) مقبول: وہ خبر ہے جو مخبر یہ یعنی نفس مضمون کی صداقت کے باعث ترجیح پا جائے،  
اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بطور دلیل پیش کرنا واجب اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔  
(ب) مردود: وہ خبر ہے جو مخبر یہ یعنی نفس مضمون کی عدم صداقت کے باعث ترجیح نہ پا  
سکے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا  
ہے۔“ (اصطلاحاتِ حدیث اردو ص ۳۹، واللفاظۃ، تیسیر مصطلح الحدیث ص ۳۲)

بعض علماء نے حدیث کی تین اقسام بیان کی ہیں:

صحیح، حسن اور ضعیف۔ دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح عرف مقدمۃ ابن الصلاح مع التقید والا یضاح للعرائی (ص ۱۸، دوسری نسخہ ص ۹۷) اور التقریب للنووی (ص ۲) وغیرہ چونکہ حسن بھی صحیح کی ایک قسم ہے لہذا اصل میں قبول اور رد کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں بتی ہیں: صحیح اور ضعیف یا مقبول اور غیر مقبول (مردود)

صحیح حدیث جمیت ہوتی ہے اور اس کی مشہور و مستند کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں جنہیں امت کی تلقی با قبول کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور منڈا حمد وغیرہ میں صحیح احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

اہل سنت کے مشہور امام اور عظیم محدث احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی الہاشمی لمطابقی رحمہ اللہ کا ذکر کیا اور فرمایا: ”سمعته يقول: إذا صَحَّ عِنْكَ كُمْ الحَدِيثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُولُوا حَتَّى أَذْهَبَ بِهِ فِي أَيِّ بَلْدٍ كَانَ“ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنایا: جب تمہارے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اسے اپنا نہ ہب قرار دوں، جس علاقے میں بھی (یہ حدیث) ہو۔ (حلیۃ الاولیاء ۹/۶۰، وسندہ صحیح)

امام احمد ہی سے روایت ہے کہ (امام) شافعی نے مجھے فرمایا: ”أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِالْحَدِيثِ وَالرِّجَالِ مِنِّي إِذَا كَانَ الْحَدِيثُ صَحِيحًا فَأَعْلَمُونِي: كُوفِيًّا كَانَ أَوْ بَصْرَيًّا أَوْ شَامِيًّا حَتَّى أَذْهَبَ إِلَيْهِ إِذَا كَانَ صَحِيحًا۔“ تم حدیث اور رجال میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو لہذا اگر صحیح حدیث ہو تو مجھے بتاؤ بینا: کوفی کی حدیث ہو یا بصرے (عراق) کی یا شام کی (حدیث ہو) تاکہ میں اس پر عمل کروں بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔

(مناقب الشافعی للام ابی حاتم ص ۹۷ وسندہ صحیح)

رنبع بن سلیمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ (امام) شافعی نے ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے پوچھا: اے ابو عبد اللہ! کیا آپ اس حدیث کو لیتے ہیں؟

تو انہوں نے فرمایا: جب بھی میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث بیان کروں پھر اس سے استدلال نہ پکڑوں تو اے جماعت! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میری عقل ختم ہو چکی ہے۔ (مناقب الشافعی للبغدادی ۱/۲۷۸ و سندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ کے ان صحیح و ثابت اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) صحیح حدیث جست ہوتی ہے۔ (۲) امام شافعی رحمہ اللہ متبع حدیث تھے۔ (۳) ایسی حدیثیں بھی ہوتی ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ (۴) غیر صحیح یعنی ضعیف حدیث جست نہیں ہوتی۔ (۵) صحیح حدیث جست ہے چاہے وہ مکے مدینے کی ہو یا عراق و شام وغیرہ کی ہو۔ (۶) حدیث کی جانچ پڑتاں کے لئے اسماء الرجال کے ماہر محدثین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (۷) ہر وقت حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے (۸) یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتهد اور ہر بڑے عالم کو ہر حدیث اور ہر دلیل معلوم ہو۔ (۹) علماء کی یہ شان ہے کہ وہ ہمیشہ تواضع سے کام لیتے ہیں۔ (۱۰) صحیح احادیث کا انکار کرنے والے لوگ قرآن و حدیث اور اجماع کے انکار کے ساتھ سلف صالحین کے بھی مخالف ہیں۔ وغیر ذلك من الفوائد

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رَحْمَ اللَّهُ أَمْرَأً أَسْمَعَ مِنِي حَدِيثًا فَحَفَظَهُ حَتَّى يَلْعَلَّهُ غَيْرُهُ فَرَبُّ حَامِلِ فَقَهٍ

إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ وَرَبُّ حَامِلِ فَقَهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ .))

اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو مجھ سے کوئی حدیث سنے پھر اسے یاد کر لے حتیٰ کہ اسے دوسرے تک پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات فقة اٹھانے والا، اُسے اس تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بعض اوقات فقة اٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا۔ (صحیح ابن حبان: ۲۷ و سندہ صحیح) اس حدیث پر حافظ ابن حبان نے باب باندھا ہے: ”ذکر رحمة الله جل جل و علام من بلغ أمة المصطفى ﷺ حديثاً صحيحاً عنه .“

اس شخص کے لئے اللہ جل جل و علام کی رحمت کا ذکر جو مصطفیٰ ﷺ کی امت تک آپ کی طرف سے صحیح حدیث پہنچا دے۔ (الاحسان ج اص ۲۷ قبل ح ۶۷)

- صحیح حدیث کیا ہوتی ہے؟ اصولِ حدیث میں اس کی شرائط بیان کردی گئی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:
- ① ہر راوی عادل ہو۔
  - ② ہر راوی ضابط ہو۔
  - ③ سند متصل ہو۔
  - ④ شاذ نہ ہو۔

⑤ معلوم نہ ہو۔ مثلاً دیکھئے اختصار علوم الحدیث (ص ۹۹ ج ۱ مع تحقیق الالباني) یہاں خواہشاتِ نفسانیہ اور فرقہ پرستی کا دخل نہیں بلکہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مددِ نظر رکھ کر، اللہ تعالیٰ کو عالم ناظر سمجھ کر عدل و انصاف کے ساتھ حکم لگایا جاتا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف چلتا ہے تو اس کا حکم مردود ہوتا ہے۔

**ضعیف روایت:** اصولِ حدیث میں ضعیف روایت کو غیر مقبول اور مردود روایات کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث (ص ۶۲)

احکام و عقائد میں توسیب علماء کے نزدیک ضعیف حدیث مردود ہے لیکن بعض علماء اسے ضعیف تسلیم کر کے فضائلِ اعمال وغیرہ میں اس کی روایت یا عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں لیکن وہ اسے بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں:

**شرط اول:** ضعف شدید نہ ہو، کذابین متهمن بالذنب اور فحش غلطیاں کرنے والے کی روایت نہ ہو، اس شرط پر اتفاق (اجماع) ہے۔

**شرط دوم:** کسی عام دلیل کے تحت درج ہو۔

**شرط سوم:** عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔

(دیکھئے القول البدریع فی فضل الصلوٰۃ علی الحجیب الشفیع ص ۲۵۸)

**شرط چہارم:** عامل کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(تہمین العجب بما ورد فی فضائل رجب لابن حجر ص ۷۲)

**شرط پنجم:** مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث کا حکم شریعت میں ثابت ہو۔

**شرط ششم:** یہ ضعیف روایت صحیح حدیث کی تفصیلات وغیرہ پرمنی نہ ہو۔ دیکھئے حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لابی الیسر اشرف بن سعید المصری (ص ۵۵) اتنی شرطوں پر عمل کرنے کے لئے حدیث کی تخریج اور سند کی تحقیق کرنی ضروری ہے۔

جب تحقیق آئے گی تو ضعیف روایتوں کی جگہ صحیح روایتیں لے لیں گی۔

علمائے کرام کا دوسرا گروہ ضعیف روایات پر عمل کا قائل نہیں چاہے عقائد و احکام ہوں یا فضائل و مناقب اور اسی گروہ کی تحقیق راجح ہے۔ اس گروہ کے جلیل القدر علماء کے آثار میں سے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ علماء ضعیف حدیث کو جست نہیں سمجھتے تھے:

① بُشِيرُ بْنُ كَعبٍ الْعَدُوِيُّ (تابعی) رحمہ اللہ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں: ”قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تو سیدنا بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی حدیثیں سنیں اور نہ ان کی طرف دیکھا۔

دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دار السلام: ۲۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرسل روایات کو جست نہیں سمجھتے تھے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے بھی اس واقعے سے یہی سمجھا ہے۔

دیکھئے النکت علی ابن الصلاح (۵۵۳/۲، النوع التاسع: المرسل)

جب مرسل روایت جو کہ ضعیف احادیث کی ایک قسم ہے، جست نہیں ہے تو دوسرا ضعیف روایات بدرجہ اولیٰ جست نہیں ہیں۔

② امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ اور اسکے مثل جو ہم نے اہل علم کا کلام ذکر کیا (جرح و تعدیل روأۃ کے متعلق) ان روأۃ حدیث کے بارے میں جو مُتھم ہیں (کسی عیب کے ساتھ) اور ان کے عیوب کے بارے میں اطلاعات جو ذکر کیں ان کا سلسلہ بہت زیادہ ہے اور اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو کتاب طویل تر ہو جائے گی۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے (ان علماء کا کلام) یہ ہر اس شخص کیلئے کافی ہے جو اہل الحدیث کا مذہب سمجھ جائے کہ اس بارے میں انہوں نے کیا کہا اور اسے کھول کر بیان کر دیا۔ اور علماء حدیث نے روأۃ حدیث اور ناقلين اخبار کے عیوب کو کھول کر واضح کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا اور ان کے عیوب پر فتویٰ دینے کا اہتمام کیا اس وقت جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا، کیونکہ اس میں بہت عظیم خطرہ تھا۔ اور وہ یہ کہ احادیث و روایات دین کے معاملہ میں جب آئیں گی تو وہ یا تو کسی امر حلال کے بیان کیلئے ہو گی یا حرام کے۔ یا کسی کام کے حکم پر مشتمل ہو گی یا نہیں پر۔ یا اس میں کسی کام پر ترغیب دلائی گئی ہو گی یا کسی کام سے ڈرایا گیا ہو گا۔ تو اگر وہ راوی صدق و امانت سے متصف نہ ہو اور پھر اس سے کوئی ایسا شخص روایت کرے جو اسکے حال سے واقف ہونے کے باوجود ان لوگوں سے جو اسکے عیوب سے ناواقف ہیں اسکے عیوب کو بیان نہ کرے تو وہ روایت کرنے والا اپنے اس فعل سے گناہ گار ہو گا اور عوام مسلمین کو دھوکہ دینے والا ہو گا۔ کیونکہ ان روایات و احادیث کو جو بھی سنے گا وہ ان پر ایمان لا کر عمل کریگا یا ان میں سے بعض پر عمل کریگا۔ اور بہت ممکن ہے وہ تمام مرویات یا ان میں سے اکثر مرویات صرف کذب و جھوٹ پر مبنی ہوں۔ انکی کوئی اصل نہ ہو۔ حالانکہ صحیح احادیث ثقہ راویوں سے اور ایسے روأۃ سے جنکی روایت پر قناعت و اعتماد کیا جا سکتا ہے اتنی کثرت سے مروی ہیں کہ کسی غیر ثقہ اور غیر معتمد راوی کی روایات کی طرف کوئی احتیاج بھی نہیں ہے... اور جن لوگوں نے اس قسم کی ضعیف اور مجہول الاسناد احادیث روایت کرنے کی ٹھانی ہے اور ان ضعیف احادیث کے ضعف اور خرابی کو جانے کے باوجود اسے روایت کرنے کی عادت میں بتلا ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان

میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جنہیں ایسی روایات و احادیث کی روایت کرنے اور اس کی عادت بنانے پر اس بات نے آمادہ کیا کہ وہ اس طریقہ سے عوام الناس کے سامنے اپنا کثیر العلم والحدیث ہونا ثابت کریں اور اسلئے تاکہ کہا جائے کہ فلاں نے کتنی ہزار احادیث جمع کی ہیں۔ اور علم حدیث میں جو شخص اس راہ پر چلا اور اس طریقہ کو اختیار کیا تو علم حدیث میں اسکا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس کو جاہل کہنا اسے عالم کہنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور اولی ہے۔“  
(مقدمہ صحیح مسلم مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ج ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۲۳-۱۲۷، صحیح مسلم مطبوعہ دارالسلام ص ۱۹، رقم: ۹۲)

امام مسلم کے اس طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ احکام ہوں یا ترغیب و ترهیب (فضائل وغیرہ) ہر حال میں ضعیف حدیث جھٹ نہیں ہے۔

ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں: ”و ظاهر ما ذكره مسلم في مقدمة كتابه أنه لا تروى أحاديث الترغيب والترهيب إلا عنمن تروي عنه الأحكام“، مسلم نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے مقدمے میں جو ذکر کیا ہے اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ترغیب و ترهیب (فضائل وغیرہ) میں بھی انھی راویوں سے روایتیں بیان ہونی چاہئیں جن سے احکام کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ (شرح علل الترمذی ج ۲۷)

③ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

”لا يحذث عن رسول الله ﷺ إلا الثقات“

رسول اللہ ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔ (مقدمہ صحیح مسلم طبع دارالسلام: ۳۱)  
معلوم ہوا کہ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ غیر ثقہ وضعیف راویوں کی روایات کو جھٹ نہیں سمجھتے تھے۔

④ ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی رحمہ اللہ نے امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے سامنے ایک منقطع روایت فضائل میں بیان کی تو انہوں نے اس پر کلام کر کے رد کر دیا۔  
دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم (ص ۳۲، رقم: ۳۲)

۵) ابن لہیعہ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ مروان بن محمد الطاطری (ثقة) فرماتے ہیں کہ میں نے رمضان میں دیکھا، لیث بن سعد (رحمہ اللہ) عصر کے بعد سو گئے تو میں نے پوچھا: اے ابوالحارث! آپ عصر کے بعد کیوں سو جاتے ہیں اور ہمیں ابن لہیعہ نے عقیل عن مکحول کی سند سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ (امام) لیث نے فرمایا: ”لا أدع ما ينفعني بحديث ابن لہیعہ عن عقیل“ مجھے جو چیز فائدہ دیتی ہے، میں اسے ابن لہیعہ کی عقیل سے روایت کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتا۔

(الکامل لا بن عدی ج ۲ ص ۱۳۶۳، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۴۰)

معلوم ہوا کہ امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ بھی ضعیف حدیث کو جحت نہیں سمجھتے تھے چاہے مسئلہ فضائل کا ہو یا احکام وغیرہ کا۔ نیز دیکھئے الضعیفۃ للابانی (۱/۷۵ ح ۳۹)

۶) امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ امام زہری اور قادہ رحمہما اللہ کی مرسل روایات کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے: ”ہو بمنزلة الريح“ یہ ہوا کی طرح ہیں۔

(المراہیل لا بن ابی حاتم ص ۳ و سندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ بھی ضعیف روایات کو جحت نہیں سمجھتے تھے۔

۷) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: زہری کی مرسل روایتیں کچھ چیز بھی نہیں ہیں۔

(المراہیل لا بن ابی حاتم ص ۳ و سندہ صحیح، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۲)

ثابت ہوا کہ امام ابن معین رحمہ اللہ بھی ضعیف روایات کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔

۸) امام ابن حبان نے فرمایا: گویا جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس روایت کا وجود ہی نہ ہو وہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ (کتاب الجرجیین ۱/۳۲۸، الحدیث حضرو: ص ۱۵)

۹) امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعة الرازی کا آپس میں قوت و تر میں ہاتھ اٹھانے پر مباحثہ ہوا تو امام ابو حاتم نے ایک روایت پیش کی، امام ابو زرعة نے اس کے راوی لیث بن

ابی سلیم پر اشارتاً جرح کردی، ابو حاتم نے دوسری روایت پیش کی تو ابو زرعد نے اس کے راوی ابن لہیعہ کا ذکر کیا، ابو حاتم نے تیسری روایت پیش کی تو ابو زرعد نے اس کے راوی عوف (!) پر اشارتاً جرح کی، پھر جب ابو حاتم نے ان سے ہاتھ نہ اٹھانے کی دلیل پوچھی تو انہوں نے سیدنا انس بن مالک کی (صحیح مشہور) حدیث پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ سوائے استسقاء کے کسی دعا میں (بہت زیادہ) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ پھر ابو حاتم الرازی خاموش ہو گئے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۶۷ ت ۳۵۵ و سندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام ابو زرعد الرازی رحمہ اللہ ضعیف حدیث کو فضائل میں بھی جحت نہیں سمجھتے تھے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو زرعد نے فرمایا:  
مرسل سے جحت نہیں پکڑی جاتی اور جحت صرف صحیح متصل سندوں سے ہی پکڑی جاتی ہے۔  
(الراہیل لابن ابی حاتم ص ۷)

درج بالا قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابو زرعد حسن لغیرہ کو جحت نہیں سمجھتے تھے۔

⑩ جعفر بن ابی وخشیہ ایک ثقہ راوی ہیں لیکن امام شعبہ اُن کی حبیب بن سالم (صدقوق راوی) سے روایت کو ضعیف سمجھتے تھے۔ (دیکھئے تقدمة البحرح والتتعديل ص ۱۵۷، و سندہ صحیح) وجہ یہ یہ کہ انہوں نے حبیب بن سالم سے نہیں سُنَا تھا۔

(دیکھئے تہذیب الکمال ۸ جلد و ۱۰ و ۱۱ ص ۳۵۳)

معلوم ہوا کہ امام شعبہ بھی ضعیف حدیث کو جحت نہیں سمجھتے تھے۔

عصر حاضر میں شیخ احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ حدیث کے مشہور عالم تھے جن کی خدمات علمائے حدیث سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والذی أرآه أَنْ بیان الضعف فی الحدیث الضعیف واجب فی کل حال، لأن ترك البیان یوهم المطلع علیه أنه حدیث صحيح، خصوصاً إذا كان الناقل له من علماء الحدیث الذین یرجع إلی قولهم فی ذلك و أنه لا فرق بین الأحكام و بین الفضائل و نحوها فی عدم الأخذ بالروایة الضعیفة بل لا

حجۃ لأحد إلا بما صح عن رسول اللہ ﷺ من حديث صحيح أو حسن ”  
 میں یہ سمجھتا ہوں کہ ضعیف حدیث کا ضعف بیان کرنا ہر حال میں واجب ہے کیونکہ بیان نہ  
 کرنے سے دوسرے آدمی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے، خاص طور پر جب اس کا  
 نقل کرنے والا علمائے حدیث میں سے ہو جن کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے،  
 اور یہ کہ ضعیف روایت لینے میں احکام اور فضائل اعمال وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ  
 رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ صحیح یا حسن حدیث کے علاوہ کسی کے لئے کوئی دلیل  
 نہیں ہے۔ (شرح الفیہ السیوطی ص ۸۲)

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اعلان فرماتے ہیں کہ  
 ”إِنَّا ننْصَحُ إِخْوَانَنَا الْمُسْلِمِينَ فِي مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا أَنْ يَدْعُوا  
 الْعَمَلَ بِالْأَحَادِيثِ الْمُسْعَفَةِ مُطْلَقاً وَأَنْ يَوْجُهُوا هَمْتَهُمْ إِلَى الْعَمَلِ بِمَا ثَبَّتَ  
 مِنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا مَا يَغْنِي عَنِ الْمُسْعَفَةِ وَفِي ذَلِكَ مَنْجَاهَةٌ مِنَ الْوَقْعِ  
 فِي الْكَذْبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“

ہم دنیا کے مشرق و مغرب میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ  
 ضعیف احادیث پر مطلقاً عمل چھوڑ دیں اور اپنی ہمتیوں کا رُخ نبی ﷺ سے ثابت شدہ  
 احادیث کی طرف موڑ دیں کیونکہ اس میں ضعیف روایات سے بے نیازی ہے اور اس میں  
 رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ میں واقع ہونے سے نجات ہے۔ (مقدمہ صحیح الباجع ج ۱ ص ۵۶)

مزید تفصیل کے لئے ابوالیسر اشرف بن سعید المصری کی کتاب ”حکم العمل  
 بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال“ وغیرہ جیسی کتب مفیدہ کا مطالعہ کریں۔

ہمارے شیخ حافظ عبد المنان نور پوری حفظہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:  
 ”ضعیف روایت قابل احتجاج نہیں خواہ کسی صحیح یا حسن کے مقابلے میں ہو خواہ نہ ہو تفصیل کی  
 اس وقت فرصت نہیں اگر آپ تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو صحیح جامع صغیر اور ضعیف جامع  
 صغیر کے آغاز میں شیخ الالبانی حفظہ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں،“

(احکام و مسائل جلد اول ص ۲۵۷ نوشتہ ۱۴۱۸/۲۵ نومبر)

اہل حدیث اور غیر اہل حدیث کے عمل سے بھی ضعیف روایات کا جحت نہ ہونا ثابت ہے مثلاً ترکِ رفع یہ دین کی ضعیف روایات کو عام اہل حدیث علماء ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور اسی طرح حنفی علماء فاتحہ خلف الامام کی روایات کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ فاتحہ خلف الامام کی کئی روایات بخلافِ سنده متن صحیح و حسن ہیں۔

**تنبیہ:** بعض اوقات حدیث ضعیف ہوتی ہے لیکن مسئلہ صحیح ہوتا ہے۔ مسئلہ اس وجہ سے صحیح ہوتا ہے کہ اس کی تائید اجماع یا آثار سے ہوتی ہے۔  
فی الحال اس کی تین مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

**مثال اول:** مال وغیرہ پر اگر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔  
اس کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو آدھا دینار (واجب) ہے۔ (دیکھئے سنن ابی داؤد: ۳۷۵، و سنده ضعیف)  
اس روایت میں ابو سحاق السعیعی مدرس ہیں لہذا یہ سنده ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ اس مفہوم کی روایات دوسری ضعیف سندوں سے بھی مروی ہیں جنھیں جمع تفریق کر کے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص منہج کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے اراء الغلیل ۲۵۲/۳، ح ۲۸۷)

حالانکہ تحقیق راجح میں یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

امام ابن المنذ ررحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَاجْمِعُوا عَلَى أَنَّ الْمَالَ إِذَا حَالَ عَلَيْهِ الْحُولُ أَنَّ الزَّكَاةَ تَجْبَ فِيهِ“ اور اس پر اجماع ہے کہ اگر مال پر ایک سال گزر جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (الاجماع لابن المنذ رس ۱۳، فقرہ: ۱۰۳)

اجماع بذاتِ خود مستقل دلیل اور شرعی جحت ہے لہذا مسئلہ ثابت ہو گیا کہ جب تک ایک سال پورا نہ ہو جائے تو مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

**سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:**  
”لَا تَجْبَ فِي مَالٍ زَكُوٰۃٌ حَتَّیٰ يَحْوِلَ عَلَيْهِ الْحُولُ“ جب تک ایک سال نہ گزر جائے

کسی مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (الموطا لللامام مالک ارجح ۲۳۶ ح ۵۸۳ و سند صحیح)

اس مفہوم کی ایک روایت بیان کر کے امام تیہقی فرماتے ہیں: ”هذا هو الصحيح  
موقوف“، یہ موقوف صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ۱۰۷/۳)

**مثال دوم:** اگر پاک پانی میں نجاست گر جائے اور اس کا رنگ، ذائقہ و بُو بدل جائے تو  
پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

اس کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے کہ ”إِنَّ الْمَاءَ لَا يَنْجِسُهُ شَيْءٌ إِلَّا  
مَاغْلُوبٌ عَلَىٰ رِيحِهِ وَ طَعْمِهِ وَ لَوْنِهِ“ بے شک پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی الا یہ کہ  
اس کی بُو، ذائقہ یا رنگ بدل جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۵۲۱ و سند ضعیف)

یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے۔

امام ابن المنذز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اور اس پر اجماع ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، اگر اس میں نجاست گر جائے پھر پانی کا  
ذائقہ، رنگ یا بُو بدل جائے تو وہ اس حالت میں نجس ہو جاتا ہے۔“ (الاجماع ص: ۲، فقرہ: ۱۱)

**مثال سوم:** جس شخص کو روزے کی حالت میں خود بخود قے (أُلٹی) آجائے تو اس پر  
روزے کی قضا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرے تو اس  
پر قضا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ ذِرْعَهُ قَيْ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيُسْ عَلَيْهِ قَضَاءُ وَإِنْ اسْتَقْاءَ فَلَيَقْضَى))

جسے خود بخود قے آجائے اور وہ روزے سے ہو تو اس پر کوئی قضا نہیں ہے اور اگر جان بوجھ  
کر قے کرے تو اس پر (روزے کی) قضا ہے۔

(سنن ابی داؤد: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۶)

اس روایت کو امام بخاری نے ضعیف لیکن ترمذی (۲۰/۷) اور خزیمہ (۱۹۶۰، ۱۹۶۱)  
ابن حبان (الموارد: ۹۰/۷) حاکم (۳۲۶، ۳۲۷) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

ہماری تحقیق میں یہ روایت ضعیف ہے اور وجہ ضعف صرف یہ ہے کہ اس میں ہشام

بن حسان مدرس ہیں۔ دیکھئے الفتح لمبین فی تحقیق طبقات المدرسین (۱۱۰، ص ۲۵) اور کسی سند میں سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔

لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جو شخص روزے کی حالت میں جان بوجھ کرتے (اٹھی) کرے تو اس پر قضا ضروری ہے اور جسے خود بخود تے آجائے تو اس پر کوئی قضائی نہیں ہے۔“

(موطأ امام مالک ح ۳۰۲ ح ۲۷۵ و سند صحیح)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”من ذرعه القي فلا قضاء عليه و من استقاء فعليه القضاء“ (السنن الکبری للبیہقی ۲۱۹، ح ۲۱۹ و سند حسن)

اس کا مفہوم وہی ہے جو اور پر گزر چکا ہے۔

حافظ ابن المنذر نے اس مسئلے پر بھی سوائے حسن بصری کے ایک قول کے، اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع ص ۱۵، فقرہ ۱۲۵)

عرض ہے کہ اس اجماع کے خلاف حسن بصری کا قول ان سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح سند کے ساتھ تو یہ ثابت ہے کہ امام حسن بصری نے فرمایا: جب روزہ دار کو خود بخود تے آجائے تو روزہ نہ توڑے اور اگر جان بوجھ کرتے کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸/۳ ح ۹۱۹ و سند صحیح)

خلاصہ یہ کہ یہ تینوں مسئلے ضعیف روایتوں سے نہیں بلکہ اجماع اور صحیح آثار صحابہ و مَن بَعْدَهُم سے ثابت ہیں۔ وَالحمد لله

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ”اہم حدیث کے نزدیک تو صحاح ستہ کی کل احادیث اپنے اپنے محل موقع پر قابل عمل ولا اقتضیم ہیں“ (دیکھئے فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص ۳۷)

یہ دعویٰ کئی لحاظ سے غلط ہے:

اولاً: صحاح ستہ سے مراد صحیح بخاری و صحیح مسلم اور سنن اربعہ (سنن ابی داؤد، سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ) ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع

روايات توثيقيناً صحیح ہیں لیکن سنن اربعہ میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں جن میں سے بعض روایات کو خود صاحبِ کتاب نے بھی ضعیف و منکر وغیرہ قرار دے رکھا ہے۔ مثلاً:

① ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الحلاء میں جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔ (سنن ابی داؤد: ۱۹)

یہ روایت بیان کر کے امام ابو داود نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے۔

② ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو ان کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ (سنن الترمذی: ۸۹)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے۔ اخ

③ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی (زینب رضی اللہ عنہا) کو (ان کے شوہر) ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) کے پاس نئے مہر اور جدید نکاح کے ساتھ روانہ کیا۔ (منhadīm ۲۰۸، ح ۶۹۳۸)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام احمد نے فرمایا:

”هذا حدیث ضعیف“ یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا حوالہ اس لئے پیش کر دیا ہے کہ وہ اہل سنت کے مشہور امام تھے۔

ثانیاً: حاکم اور خطیب بغدادی نے سن الترمذی کو ”الجامع الصحیح“ کہا تو اس کا رد کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”وَهَذَا تَسَاهُلٌ مِّنْهُمَا فِيَهُ أَحَادِيثٌ كَثِيرَةٌ مُّنْكَرَةٌ“

یہ ان دونوں کا تساهل ہے کیونکہ اس (سنن الترمذی) میں بہت سی منکر حدیثیں ہیں۔

(اختصار علوم الحدیث مع تعلیق الابانی ج ۱ ص ۱۱۶)

حافظ ابو طاہر اسلفی نے کتب خمسہ کے بارے میں کہا: ”مشرق و مغرب کے علماء کا ان کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔“ اس کا رد کرتے ہوئے ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اور یہ تساهل ہے کیونکہ ان میں ایسی روایتیں بھی ہیں جنھیں ان کتابوں کے مصنفوں نے

ضعیف یا منکر وغیرہ قرار دیا ہے جو کہ ضعیف کی اقسام ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۰، النوع الثانی)

ثالثاً: سنن ترمذی کے شارح اور تحفۃ الاحوزی کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”قلت: الأحاديث الضعاف موجودة في جامع الترمذی و قدبین الترمذی نفسه ضعفها وأبان علتها ....“ إلخ

میں نے کہا: جامع ترمذی میں ضعیف حدیثیں موجود ہیں اور ترمذی نے خود ان کا ضعف (ضعیف ہونا) اور علتين بیان کر دی ہیں....الخ (مقدمۃ تحفۃ الاحوزی ج اص ۳۶۷، آخر فصل السادس) رابعاً: غیر اہل حدیث جن ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہیں مثلاً ترک رفع یہ دین وغیرہ، ان میں سے بعض روایتیں سنن اربعہ میں موجود ہیں اور اہل حدیث ان روایتوں پر جرح کر کے انھیں مردود قرار دیتے ہیں۔

خامساً: حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سنن اربعہ کی تمام روایات صحیح نہیں“

جو حدیثیں بخاری و مسلم میں ہیں، وہ سب کی سب صحیح ہیں، مگر باقی صحاح ستہ یعنی (ترمذی، ابو داؤد، نسائی وغیرہ) میں بعض حدیثیں ”صحیح“ ہیں اور بعض ”حسن“ اور بعض ”ضعیف“، حدیث کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ رواۃ ثقہ ہوں اور سند میں اتصال ہو، نہ اس میں کوئی شذوذ ہو اور نہ علت ہو۔ بعض وقت ایک محدث حدیث کو ”صحیح“ یا ”حسن“ کہتا ہے، مگر حقیقت میں وہ حدیث ”ضعیف“ ہوتی ہے۔ بعض محدثین اس معاملہ میں تباہ (ستی) کر جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین نے تنقیح اور استقراء کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ حاکم کی تصحیح (کسی حدیث کو ”صحیح“ کہنا) اور امام ترمذی کی تحسین (کسی حدیث کو ”حسن“ کہنا) پر مغرب نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کی چھان بین ضروری ہے۔“ (دواہ حدیث جلد اول ص ۲۶۶)

اگر کوئی کہے کہ محدثین نے یہ ضعیف روایات کیوں لکھی ہیں؟

اس سوال کا جواب حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی عبارت میں موجود ہے، آپ فرماتے ہیں:

”بعض وقت محدثین روایت کو صرف معرفت کے لئے ذکر کرتے ہیں، اس سے دلیل کپڑنا

مقصود نہیں ہوتا، خاص کر جب بیان کرنے کے بعد اس حدیث کے ضعف کی وضاحت کر دیں۔” (دوام حدیث ج ۱ ص ۲۷۶)

ایک اور مقام پر سدی اور کلبی (دو کذابین) کی روایتوں کے بعض کتب حدیث و کتب تفسیر میں درج ہونے کے بارے میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

”جب ان بیان کردہ راویوں کے کذب پر محدثین کا اجماع ہے، تو اس صورت میں ان کی روایات کو لکھنا، صرف معرفت کے لئے ہوگا، نہ استدلال کے لئے۔ جب ان کی روایتوں سے محدثین استدلال نہیں کرتے، تو ان کے ذریعہ شریعت میں مسائل کیے داخل ہو سکتے ہیں؟“ (دوام حدیث ج ۱ ص ۵۲۶)

آخر میں عرض ہے کہ ہم اپنی خواہشات یا گروہ و فرقہ پرستی کی وجہ سے روایات پر صحیح یا ضعیف کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو عالم ناظر سمجھتے ہوئے، اصول حدیث اور اسماء الرجال کے علم کو مدد نظر رکھتے ہوئے، جمہور محدثین کی تحقیق و اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اور آخرت کے محابے پر ایمان کے ساتھ حدیث پر صحیح و حسن یا ضعیف وغیرہ کا حکم لگاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دلیل کے ساتھ ہماری غلطی ثابت کر دے تو علائمیہ رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے منبع کی تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳-۲ ص ۲۳۸، ۳-۲ ص ۲۳۵، ۳-۲ ص ۲۳۴

و ما علینا إلا البلاغ

حافظ زبیری علی زین (۲/ جولائی ۲۰۰۸ء)

